نظمِ حالی میں معاصر تہذیبی صورتِ حال

روحینہ جعفری

ABSTRACT:

In subcontinent, after the arrival of the British, a conflict had been seen at the level of modern and ancient culture and education. The modern class considerd the ancient as conservative while the ancient thought others as mislead. Sir Sayyed Ahmed Khan was the messenger of modern education and culture. But Hali wished to reform the ancient culture instead of addopting the modern culture. In this easy an account of Hali's poem is presented besides expressions of various Urdu literature critics of Hali, to study how Hali expresses his contemporary cultural context and its dynamics in his poetry.

ہندوستان کی کلاسیکی معاشرت سیکڑوں برس کے جمود کے باعث ایجاد و اختراع، ندرت و جودت اور تبدل و ارتقا کے عناصر سے خالی تھی۔ معاشرے میں تقلید، توہم پرستی، اور متعصّبانہ طرزِ فکر عام تھا۔ لوگ اپنے فرسودہ رسوم و افکار سے اس شدت کے ساتھ وابستہ تھے کہ اس میں کسی ادنی تغیر کے بھی روادار نہ تھے۔ یہ معاشرہ اگر اسی طرح چلتا رہتا تو شاید اپنی موت آپ مر جاتا۔ مگر انگریزوں کی آمد نے معاشرے میں ایک ہلچل مچا دی۔ سیکڑوں برس کے سیاسی نظام کی بساط لپیٹ دی۔ مقامی آبادی حکومت کا دفاع تو نہ کر پائی البتہ اپنی معاشرت وتہذیب کے ساتھ اس کی وابستگی شدید تر ہو گئی۔ مسلمان معاشرے میں اس طرزِ فکر کا اثر زیادہ تھا کیوں کہ ایک طرف تو سینکڑوں برس کا اقتدار ہاتھوں سے جاتا رہا، اور دوسری طرف ہندوؤں نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کیا۔ اس یاس اور ناامیدی کی فضا میں معاشرتی تعصب وتنزل کو سازگار ماحول میسر آیا۔ مغل حکمرانوں کی عاقبت نااندیشیوں اور عیش پرستیوں کی بدولت معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہو چکا تھا وہ باعثِ فخر خیال کیا جانے لگا۔ فضول خرچی، تعیش پرستی اور نمودو نمائش اس معاشرے کے نمایاں خدو خال تھے۔ مسلمان اسی کو اپنی شان وشوکت کا نمائندہ خیال کرنے لگے۔ دوسری طرف وہ طبقہ جو جدید تعلیم کا حامل تھا اپنی تہذیب کو یکسر دقیا نوسی قرار دے کر فوری تبدیلی کا خواہش مند تھا اور اپنی معاشرت

کو انگریزی معاشرت کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا۔ چناں چہ ایک طرف سر سید جیسے روشن خیال افراد تھے تو دوسری طرف اپنی تہذیب کا دفاع کرنے والے قدامت پسند۔ایسے میں ایک مناقشے کی صورت حال پیدا ہوئی اسی بنا پر سر سید کو کفر کے فتوے کا سامنا کرنا پڑا۔

مولانا حالی بھی سر سید کے حامیوں میں سے تھے مگر وہ انگریزوں کی تقلید کے بجائے مسلم معاشرے میں اصلاح کے خواہاں تھے۔انھوں نے مسدس میں مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت اور علمی عروج کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ اسی تصور کے زیرِ اثر ہے۔ان کے نزدیک مسلم معاشرت رواداری اور روشن خیالی کے اصولوں پر استوار تھی۔مگر ان اصولوں سے انحراف کی بنا پر پستی کی اس صورتِ حال کا سامنا کر رہی تھی۔ڈاکٹر جمیل جالبی، حالی کی شخصیت کے اس رخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اگر حالی کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ پرانے خیالات کے آدمی نظر آتے ہیں۔اور شاعر ہونے کے ناتے زیادہ عینیت پسند اور کم واقعاتی دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے زندگی کی عام باتوں کو بدلنے کی طرف کم توجہ دی اور قوم کے مزاج ،اس کی روح ،اس فکر و نظر کو بدلنے کے لیے ادب و شعر کو وسیلہ بنایا۔حالی کی نظر میں یہ کام انگریزوں کی نقل سے زیادہ پرانی روایت میں واپس جانے سے ہوسکتا تھا۔ (۱)

غرض حالی اس شان دار تہذیب کے احیا کی خواہش رکھتے تھے جس کو عیش پرست اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کی کج رویوں نے برباد کر کے رکھ دیا تھا۔حالی جیسا صاحبِ نظر انسان محسوس کر سکتا تھا کہ اگر آج اس تہذیب کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو یہ اپنی موت آپ مر جائے گی۔وہ اپنی نظروں کے سامنے اقدار کی شکست و ریخت دیکھ رہے تھے۔قوم کی بے حسی اور جہالت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس کی کے بچاؤ کی تدبیر تو کیا کرتی الٹا اس کی فضیلت کی قائل تھی۔ یہ وہ منظر نامہ تھا جس نے حالی کو قومی اور سماجی موضوعات کی طرف متوجہ کیا۔کیا غزل اور کیا مرثیے اور کیا رباعیات وقطعات ہر جگہ قومی زوال کا ماتم نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حالی کا کلام معاصر تہذیب کا بہترین عکاس ہے۔حالی مسدس کے پہلے دیباچے مرقومہ ۱۲۹۶ھ میں لکھتے ہیں:

> قوم کی حالت تباہ ہے،عزیز ذلیل ہو گئے ہیں،شریف خاک میں مل گیے ہیں،علم کا خاتمہ ہو چکا ہے۔دین کا صرف نام رہ گیا ہے،افلاس کی گھر گھر پکار ہے، پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے،اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں،اور بگڑے جاتے ہیں،رسم و رواج کی بیڑی ہر ایک کے پاؤں میں پڑی ہے، جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے،امرا جو قوم کو کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں غافل اور بے پروا ہیں،علما جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے واقف نہیں۔ (۲)

قومی زوال کے اس احساس نے حالی کے دل و دماغ کو اصلاح کے رخ پر موڑ دیا اور انھوں نے قدیم اندازِ شاعری ترک کر کے نئے انداز کی داغ بیل ڈالی۔انھوں نے مقدمہء شعر و شاعری میں روایتی طرز اظہار پر عدم اطمینان کا

اظہار کرتے ہوئے اس کو وقت کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے پر زور دیا۔انھوں پرانی شاعری کو فرسودہ قرار دیا اور نئے اندازِ شاعری کا ضابطہ فراہم کیا جس کی بدولت حالی عرصہء دراز تک نشانہء طنز رہے اور شدید مخالفت کا سامنا کرتے رہے۔مگر وہ اپنے راستے پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔انھوں نے اپنے اندر کے شاعر کو مار ڈالا اور اپنی فنی شخصیت کی قیمت پر یہ فریضہ انجام دیا مگر شعر و شاعری اور علم و ادب کو ایک نیا رخ دے دیا جو بدلتے ہوئے عالمی حالات میں بہر حال ناگزیر تھا اور آج نہیں تو کل ادب کو یہی راستہ اختیار کرنا تھا۔سلیم احمد حالی کے اس اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حالی کے ادبی ہدایت نامے کے دو رخ تھے (ا) قومی خدمت کے لیے شاعری کی جائے۔یا کم از کم (۲) غیر عشقیہ شاعری کی جائے۔حالی نے دونوں قسم کی شاعری کے قابلِ قدر نمونے پیش کیے۔ان میں زبان و بیان کی بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔یہ معاشرت کے بارے میں ،سیاست کے بارے میں،قوم کی اخلاقی ،مذہبی ، اور ملک کی جغرافیائی حالت کے بارے میں بہت کچھ بتاتے ہیں۔اگر کچھ نہیں بتاتے تو شاعر کے بارے میں۔ (۳)

اس نقطہء نظر سے حالی کی مسدس مدو جزرِ اسلام کو امتِ مرحومہ کا ایک طویل مرثیہ قرار دیا جا سکتا ہے جو اس کے زوال کی دل گداز داستان پر مشتمل ہے۔مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نظم میں ہندوستان کی معاصر تہذیب کی بڑی جان دار تصویریں موجود ہیں۔انھوں نے قوم میں موجود جن خامیوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں خوشامد،تعصب، پیر پرستی، جہلا کا مسندِ علم پر متمکن ہونا،کور باطنی،فتنہ انگیزی،خود پسندی،حسد و تکبر،اور غیبت وغیرہ ہیں۔قوم مذہب سے بیگانہ ہے اور مذہب کے نام پر نت نئی اختراعیں کر رہی ہے۔بہت سی ہندوانہ رسمیں مذہب کا حصہ بن چکی ہیں۔ہر ایک نے دین کے نام پر اپنی الگ دکان کھول رکھی ہے۔روحانی فیض کے نام پر عوام الناس کا استحصال کیا جا رہا ہے۔قبر پرستی عام ہے اور اللہ کی بجائے صاحبانِ مزار سے حاجت روائی کی امیدیں لگائی جاتی ہیں۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں (۴)

نام نہاد علما کے طرزِ عمل کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے
کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے

مخالف کی ریس اس میں کرنی بری ہے
نشاں غیرت ِدینِ حق کا یہی ہے
مخالف کی الٹی ہر اک بات سمجھو
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو (۵)

حالی نے **مقدمۂ شعرو شاعری** میں اس دور کی شاعری بالخصوص غزل گوئی پر بڑی گہری چوٹیں کی تھیں۔اس نظم میں بھی انھوں نے شاعروں کی خوب خبر لی ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ اگلے جہاں میں سب گنہ گار چھوٹ جائیں گے کیوں کہ جہنم ہمارے شاعروں سے بھر جائے گا۔اس حوالے سے معاشرت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی غزل گوئی کا مقصد یہ ہے کہ بھانڈ ان کی غزلیں مجالس میں گاتے پھریں۔ان کے دیوان طوائفوں کو ازبر ہیں۔شرفا کے نوجوان لڑکے کبوتر اڑانے،بٹیریں لڑانے، چرس اور دیگر نشہ آور اشیا سے دل بہلانے میں دن رات مصروف ہیں۔عشق وعاشقی اور دشنام طرازی میں لگے رہتے ہیں۔گھر اور اہلِ خانہ سے انھیں چنداں دل چسپی نہیں۔اگر ان کو بیاہ دیا جائے تو بہو کا بوجھ بھی ماں باپ کو اٹھانا پڑتا ہے۔ایسا قحط الرجال ہے کہ بیٹیوں کے بر نہیں ملتے:

یہی جھینکنا کو بہ کو گھر بہ گھر ہے
بہو کو ٹھکانہ نہ بیٹی کو بر ہے

حالی نے جو شخصی مراثی لکھے ہیں اگر چہ ان میں لمبی تمہیدیں نہیں ملتیں اور سادہ انداز اپنایا گیا ہے۔مگر ان میں تہذیبی قدروں اور اخلاقی اقدار کا ماتم برابر ملتا ہے۔مثلاً مرثیہ حکیم محمود خان میں جہان آباد کے علمی،تہذیبی اور اخلاقی حیثیت کا ذکر کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام
تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہور و انام
آدمیت دیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص وعام
شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام
رسم میں، آئین میں، اوضاع میں، اطوار میں
طرز میں ،انداز میں، رفتار میں،گفتار میں (۶)

اور موجودہ حالات کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر
گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاجِ شرف سے تیرے سب لعل و گہر
تجھ کو اے دار الحکومت کھا گئی کس کی نظر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ
اے گلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بوباس وہ (۷)

مولانا حالی نے اپنے تمام قطعات پر عنوانات قائم کیے ہیں۔ان عنوانات ہی سے اس دور کی معاشرتی حالت کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔مثلاً چھوٹوں کا بڑا بن جانا، بے تمیزی،ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک،قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت،صفائی نہ رکھنے کا عذر،شادی قبل از بلوغ، چنڈو بازی کا انجام،بیٹیوں کی نسبت،اسراف،خودستائی۔بعض قطعات پر ایک طویل جملے کی صورت میں عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔مثلاً جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف،خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں وغیرہ۔بیٹیوں کی نسبت میں وہ اہلِ عرب کی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا موازنہ اپنے دور سے کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اہلِ ہند بھی اس حوالے سے کسی سے پیچھے نہیں وہ جب بیٹی کا بر تلاش کرتے ہیں تو سسرال کی آسودہ حالی،نسلی فضیلت،معاشرے میں مقام و مرتبہ کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ بیٹی اپنے ہی شہر میں بیا ہی جائے مگر جس چیز کہ اہمیت نہیں دی جاتی وہ ہے لڑکے کے اخلاق وعادات:

بد مزاجی و جہالت ہو کہ ہو بد چلنی
کچھ برائی نہیں ذتونتا ہو داماد اگر
وہ یہی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن
بکریاں بھیڑیوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر
جاہلیت میں تھی اک یہی آفت کہ وہاں
گاڑ دی جاتی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی
زندہ درگور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جب کہ نہ سوچیں انجام
جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ ابتر (۸)

قانون کے زیرِ عنوان اس معاشرے کا رویہ بڑے موئثر انداز میں یوں بیان کیا ہے:

کہتے ہیں ہر فردِ انساں پہ ہے فرض
ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھیں نہیں قانون میں
جان کچھ مکڑی کے جالے کے سوا
اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا

پر اسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں
جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے وہ قانون ہے
اور نظر میں زور مندوں کے ہے لا (۱۰)

رباعیات میں حالی نے حسبِ قاعدہ اخلاقی مضامین تو پیشِ نظر رکھے ہی ہیں مگر بعض رباعیات میں اس دور کی تہذیب کی جھلکیاں بھی موجود ہیں۔ رباعیات پر بھی عنوانات قائم کیے گیے ہیں مثلاً آثارِ زوال کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

آبا کو زمین و ملک پر اطمیناں
اولاد کو سستی پہ قناعت کا گماں
بچے آوارہ و بے کار جواں
ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہماں (۱۱)

تکفیرِ اہلِ ایمان کے زیرِ عنوان انھوں نے بڑا لطیف نکتہ پیدا کیا ہے:

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین
سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقیں
مومن سے ضرور ہو گا مرقد میں سوال
تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں (۱۲)

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ حالی نے اپنے قطعات، رباعیات، مراثی حتیٰ کہ غزلوں میں بھی معاصر تہذیب کا بڑا جان دار مرقع پیش کیا ہے۔ جس سے اس دور کے سیاسی، تہذیبی اور اخلاقی زوال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ خود حالی کے بقول:

> قوم کے لیے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے۔ جس میں آ کر وہ اپنے خط و خال دیکھ سکے کہ وہ کون تھے اور کیا ہو گئے۔ (۱۳)

اور یہ آئینہ اتنا شفاف تھا کہ انھیں بتایا گیا کہ ان کی مسدس مشہور تو بہت ہوئی ہے مگر اس سے قوم کا اندر مایوسی اور انفعال کے جذبات پیدا ہونے لگے ہیں۔ چناں چہ مسدس کے ضمیمے میں انھوں نے جو اشعار اضافہ کیے ہیں ان میں امید کی ایک کرن نظر آتی ہے۔ کہ مسدس کی وجہ سے قوم کے اندر ایک اضطراب پیدا ہوا ہے جو حالی کے نزدیک نیک شگون ہے:

تنزل پہ وہ ہاتھ ملنے لگے ہیں
کچھ اس سوز سے جی پگھلنے لگے ہیں
دھوئیں کچھ دلوں سے نکلنے لگے ہیں
کچھ آرے سے سینوں پہ چلنے لگے ہیں

وہ غفلت کی راتیں گزرنے کو ہیں اب
نشے جو چڑھے تھے اترنے کو ہیں اب (۱۴)

حالی نے اپنے دیوان کے دیباچے میں لکھا تھا کہ قوم کی حالت دیکھ کر انھوں نے سوچا کہ کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔سعی کرنا ضروری ہے چاہے اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ بھی نکلے۔اس فرض کو نبھانے میں بالواسطہ طور پر ان کے اشعار میں معاصر تہذیب کی سیاسی ،سماجی،معاشی اور اخلاقی معاملات کی ایک واضح تصویر سامنے آ گئی ہے۔حالی کی بنا کردہ یہ روایت آگے چل کر اقبال کی شاعری کا منشور طے کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔سلیم احمد حالی کی نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بہر حال حالی کی غزل عشق سے پیدا ہوئی تھی اور حالی کی نظم حالی کی عقل سے۔اس نظم کے موضوعات سیاسی،اخلاقی اور اصلاحی تھے۔ان میں وہ انسان غائب ہو گیا تھا جو حالی کی غزل میں ملتا ہے۔اور اس کی جگہ عقلی،افادی،اور اصلاحی انسان نے لے لی تھی۔ (۱۵)

بلا شبہ حالی کی نظم میں اصلاحی اور اخلاقی انسان کی جھلک نمایاں ہے۔مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حالی جن اخلاقی،تہذیبی اور سماجی اقدار کا ماتم کر رہے تھے اور جن کے احیا کے خواہش مند تھے۔وہ آج حالی کی وفات کے کم و بیش سو برس بعد بھی جوں کی توں ہے۔محولہ بالا اشعار پر ایک سرسری نظر ہی سے موجودہ مسلم تہذیب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور مسدس کے ضمیمے میں شامل اشعار محض تالیفِ قلب کی ایک کاوش محسوس ہوتے ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) ڈاکٹر جمیل جالبی۔**تاریخِ ادبِ اردو** (جلد چہارم)۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۲۰۱۲ء،ص۹۰۱
(۲) مولانا الطاف حسین حالی۔**مسدسِ حالی**۔لاہور:تاج کمپنی لمیٹڈ،سنہ ندارد،ص۴
(۳) سلیم احمد۔**مضامینِ سلیم احمد**۔جمال پانی پتی (مرتب)۔کراچی:اکادمی بازیافت،۲۰۰۹ء،ص۹۹
(۴) مولانا الطاف حسین حالی۔**مسدسِ حالی**۔لاہور:تاج کمپنی لمیٹڈ،سنہ ندارد،ص۸۵
(۵) ایضاً ، ص۵۹
(۶) ایضاً ، ص۷۶
(۷) مولانا الطاف حسین حالی۔**دیوانِ حالی**۔لاہور:شیخ مبارک علی تاجر کتب و پبلشر،۱۹۴۴ء،ص۱۸۹
(۸) ایضاً ، ص۱۹۱
(۹) ایضاً ، ص ۲۷
(۱۰) ایضاً ، ص۴۰

(۱۱) ایضاً ، ص ۱۳۷
(۱۲) ایضاً ، ص۱۴۲
(۱۳) مولانا الطاف حسین حالی۔**مسدسِ حالی**۔لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ،سنہ ندارد،۔ص،۸۵
(۱۴) ایضاً ، ص۹۰
(۱۵) سلیم احمد۔**مضامینِ سلیم احمد**۔ جمال پانی پتی (مرتب)۔کراچی: اکادمی بازیافت،۲۰۰۹ء،ص۱۵۳

○○○